افادات شاہ عبدالرحیمؒ

ترجمہ از فارسی

(۲)

وہ طریقہ جس سے اس (کیفیت) کی نگاہداشت آسان ہو جاتی ہے، یہ ہے کہ سانس کو ناف کے نیچے روکے اور زبان کو تالو سے اور لب کو لب سے لگا کر سانس کو اس طرح روکے کہ سانس (سینہ کے) اندر تنگی کی حد تک نہ رُکے اور سانس کو باہر نکالنے اور اسے اندر لے جانے اور دونوں سانسوں کے درمیان جو وقفہ ہے، اس کی آگاہی رہے تاکہ سالک کا نفس اس شغل سے غافل نہ ہو۔ اور اللہ کے ساتھ حضوری کی نسبت میں فتور واقع نہ ہو۔ اس کیفیت میں وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اللہ کے ساتھ حضوری کی نسبت بغیر کسی تکلف کے دل میں موجود رہے اور آگاہی اس طرح دل کی لازمی صفت ہو جائے، جس طرح کہ آنکھ کے لئے بینائی اور کان کے لئے سننا لازمی صفت ہے۔ اگر کسی کو اپنے آپ سے اس طرح آگاہ کر دیں کہ بہت زیادہ آگاہی کی وجہ سے اس کو آگاہی کا شعور نہ رہے تو یہ نہایت استغراق (کی کیفیت) ہے۔

اس حالت کی ابتداء میں بعض کے ظاہری و باطنی حواس محسوسات و معقولات کو ادراک کرنے سے معطل ہو جاتے ہیں اور ان پر صد درجہ کی بے خودی ظاہر ہوتی ہے، اور بعض کے تمام کے تمام حواس، باوجود اس کے کہ انہیں آگاہی کی یہ صفت اپنے کمال پر میسر ہوتی ہے، اپنا کام کرتے رہتے ہیں یہ حالت پہلی حالت سے اشرف اور قوی تر ہے۔

اگر کسی کو ارباب ولایت کے مقاصد سے واقفیت ہو جائے، تو اسے یہ یقین حاصل ہو گا کہ اہل ولایت کو جو شہود و حضور و مشاہدہ ہوتا ہے، وہ عبارت ہے حصول یادداشت کے دوام سے اور اس کی تعبیر آگاہی سے کی گئی ہے۔ اگر اس مقام پر ایسا ہو جائے کہ اس نسبت کے شعور کا بھی شعور نہ رہے اور سوائے ہستیٔ

حق کے کوئی اور نسبت نہ رہے اور ظاہری اشغال اس نسبت کے وجود میں مانع نہ ہوں اور اس نسبت کی موجودگی ظاہری اعمال میں مانع نہ ہو۔ شاہد و مشہود کی تخصیص دل کی نظر سے جاتی رہے اور سالک بحرِ ہستی میں اس طرح گم ہوجائے کہ اس سے نہ فعل (کا تعلق) رہے، نہ وصف، نہ اسم اور نہ ذات کا۔ اس حالت کو بزرگوں نے فنائے فنا سے تعبیر کیا ہے۔

اگر حق سبحانہ وتعالیٰ (سالک کو) اس مقام سے ترقی دے دے اور اسے بقا بعد الفنا پر پہنچادے اور صرف اپنی عنایت سے اس کو ایسا نور بخشے کہ وہ اس نور سے یہ دیکھ سکے کہ مشاہدہ سوائے اللہ جل ذکرہ کے کچھ اور نہیں، اور یہ اشیا راسی اللہ جل ذکرہ کے مظاہر اور جلوے ہیں۔ اور یہ کیفیت اس (سالک) کا ملکہ بن جائے۔ ایسے (سالک) کو بالغوں میں شمار کیا گیا ہے۔ وہ ناقصوں کی تکمیل کے لئے مقرر ہوتا ہے اور اس طریقے کے مستعدین کی تربیت وصحبت کے لئے اسے اجازت دی جاتی ہے۔

اور اسی مقام پر اگر دل کو پختگی حاصل ہوجائے، تو اس کی حالت ایسی خوشی ومسرت کی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں دو جہان رائی کے دانے کے برابر حیثیت نہیں رکھتے۔ اور اگر دل کی نظر ایسی کیفیت پر ہے کہ ابھی اس میں کوئی چیز رہ گئی ہے اور اس کیفیت پر سالک نہیں پہنچ پاتا ہے تو اس کی حالت سرتاسر شوق وقلق واضطراب کی ہوگی۔ انبیاء اور غیر انبیاء میں سے کوئی بھی کامل ایسا نہیں ہوگا، جس سے اضطراب واشتیاق کبھی بھی زائل ہوا ہو۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے دوستوں کو یوم قیامت تک اسی خوشی قلق واضطراب اور اشتیاق میں رکھتا ہے۔ اس لئے کہ جس لحظہ وہ ایک تجلی سے مشرف ہوتے ہیں، اس تجلی سے ان کو دوسری تجلی کے لئے استعداد حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ غیر منتہی ہے۔ چنانچہ تجلیات کا آب مصفا جتنا زیادہ ہوگا، اتنی ہی پیاس زیادہ ہوگی۔ نہ آب حیاتِ حقیقی کا فیضان منقطع ہوگا اور نہ مہمان جمال کی پیاس کو زوال ہوگا۔

شربت الحبّ کاساً بعد کاس

فما نفد الشرابُ ولا رویتُ

(ترجمہ) میں نے محبت کے جام کے بعد جام پئے، پس نہ تو شراب ختم ہوئی، اور نہ میں سیراب ہوا۔

رابطہ

اس سلسلۂ طریقت کے سلوک و وصول کا تیسرا طریقہ رابطہ ہے۔ رابطہ ایک ایسے پیر سے کہ وہ مقام مشاہدہ پر پہنچا ہوا ہو اور اس کے لئے تجلیاتِ ذات متحقق ہو گئی ہوں اور اس کا دیدار بمصداق ھم الذین اذا رأوا ذکر اللہ (جب ان کو لوگ دیکھیں، تو اللہ کا ذکر کریں) ذکر کا فائدہ دے اور اس کی صحبت بموجب ھُم جلساء اللہ (وہ اللہ کے ہم نشین ہیں) اللہ کی صحبت جیسا نتیجہ پیدا کرے۔ اگر ایسے بزرگ کی صحبت میسر آئے اور اس کی تاثیر سالک اپنے اندر پائے تو جس قدر بھی اس سے ہو سکے، اسے نگاہ میں رکھے۔ اگر وہ موجود و حاضر ہو، تو اس کے دو ابروؤں کے درمیان نظر گاڑے اور اس سے ایسا رابطہ رکھے کہ اسی بزرگ کے وجود کے سوا کوئی اور چیز نہ رہے وہ خود اپنے وجود سے علیحدہ ہو کر اس کے وجود سے متصف ہو جائے۔ اگر اس کیفیت میں کوئی فتور واقع ہو، تو پھر اس کی صحبت کی طرف رجوع کرے تاکہ اس کی برکت سے وہ کیفیت پیدا ہو۔ اس طرح وہ اس وقت تک اسے بار بار کرے کہ یہ مذکورہ کیفیت اس کا ملکہ بن جائے۔

اگر وہ بزرگ موجود و حاضر نہیں، غائب ہے، تو اس کی صورت کو تمام ظاہری و باطنی قویٰ کے ساتھ خیال میں لائے اور قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو پھر وہ خیال جو تشویش و پریشانی دے، اس کی اس وقت تک نفی کرے کہ بے خودی کی کیفیت رونما ہو جائے۔ اس سے کوئی طریقہ بھی (اس کیفیت تک پہنچنے کے لئے) نزدیک تر نہیں ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر مرید میں یہ قابلیت ہو کہ پیر اس کے اندر تصرف کرے، تو پیر پہلے ہی مرتبے میں مرید کو مشاہدہ کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ اصحبوا مع اللہ فان لم تطیقوا فمع من یصحب مع اللہ (اللہ کی صحبت میں بیٹھو۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو

ا؎ شاہ ولی اللہ القول الجمیل میں فرماتے ہیں

مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک اللہ تک پہنچنے کے تین طریقے ہیں۔ ایک ذکر، دوسرا مراقبہ اور تیسرا مرشد کے ساتھ کامل ربط۔ آخر الذکر کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجہ اور دائم یادداشت ہو۔ (مترجم)

پھران کی صحبت میں بیٹھو، جو اللہ کی صحبت میں بیٹھتے ہیں، یعنی ایسی ہمت رکھو کہ آگاہی سے جو ایک پَرتو ہے تجلی ذاتی کا، مشرف ہوکر دو جہان کے تعلق سے رہائی پالو اور اگر تم میں اس طرح کے کام کی طاقت نہیں تو کسی ایسے شخص کے بارے میں آگاہی حاصل کرو کہ وہ اس تجلی کے پَرتو سے مشرف ہو چکا ہو۔ اس نے اپنے آپ سے رہائی حاصل کر لی ہو اور اس کی ہمت عالی نے اس کے دل کو غیر کے تعلق سے نجات دے دی ہو۔ قرآن مجید کی آیت "کونوا مع الصادقین" میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور اگر کسی میں فطرت کا خلوص وصفا باقی ہو تو ایسے صاحب دولت کے اشارے سے کہ وہ شہود ذاتی کے مقام پر پہنچا ہوا ہو۔ تھوڑے سے وقت میں بغیر ریاضت اور زیادہ محنت کئے یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے [۱]

آنکہ بہ تبریز دید یک نظرش شمس دین
طعنہ زند بردہ وسخرہ کند بر چلہ

(ترجمہ، جس کو تبریز میں شمس دین نے اپنی ایک نظر سے دیکھ لیا وہ دہے (دس دن تک چلہ کھینچنے) اور چلہ (چالیس دن تک چلہ کھینچنے) پر ہنستا ہے۔

---

[۱] شاہ ولی اللہ ہمعات میں "مراقبہ" کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں فقیر پر یہ حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ ذکر و اذکار اور مراقبہ وہ مجاہدہ کے معاملے میں حق سبحانہ کی رضا اس میں ہے کہ اذکار میں سے وہ ذکر کیا جائے، جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

اور مراقبہ ایسا ہو کہ سالک کی توجہ فوراً ذات باری کی طرف مبذول ہو جائے مراقبے کے سلسلے میں یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ سالک اس کی تمہیدی مشقوں میں ہی پھنس کر رہ جائے۔ کیونکہ اگر وہ اس حالت میں مر جائے گا تو اسے آخرت میں حسرت اور رنج ہوگا۔ مثلاً اگر سالک مراقبے کی تمہیدی مشقیں کر رہا ہو۔ یعنی وہ مسلسل آواز سننے میں مصروف ہو یا خلا کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کی مشق میں لگا ہوا ہو یا وہ آفتاب کی طرف دیکھنے یا ناک پر نظر جمانے کی مشق کر رہا ہو اور اس کو موت آجائے تو اندازہ لگایئے کہ آخرت میں اسے کتنی محرومی ہوگی۔

(مترجم)

سلسلۂ خواجگان کے حلقے کے سردار خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے کلمات کے بیان میں

بے شک یہ ان کے اصطلاحی الفاظ ہیں کہ ان بزرگ کے طریقے کا جاننا ان پر موقوف ہے اور ان اصطلاحی الفاظ کے ساتھ میں نے اس فصل میں کچھ اور فوائد کا، جن کے بغیر اس طریقہ کے سالکوں کو چارہ نہیں، اضافہ کر دیا ہے، نیز حضرت خواجہ کا آداب طریقت کے بارے میں ایک وصیت نامہ ہے، جو آپ نے اپنے فرزند معنوی خواجہ اولیاء کبیر قدس سرہ کے لئے قلم بند فرمایا ہے اور مشتمل ہے بڑے بڑے فوائد اور جلیل القدر منفعتوں پر اور وہ تمام سالکوں اور مریدوں کے لئے ضروری و لازمی ہے۔

جملہ وصیتوں میں سے یہ چند جامع فقرے لکھے جاتے ہیں

اے فرزند! میں تمہیں علم و ادب کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تمام حالات میں تم اپنے اوپر تقویٰ لازم کرو، آثار سلف پر چلو، جماعت کی سنت کو بالالتزام اختیار کرو، فقہ و حدیث پڑھو، ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو اس شرط کے ساتھ کہ نہ امام بنو نہ موذن۔ ہرگز شہرت کی خواہش نہ کرو کہ شہرت ایک آفت ہے۔ کسی منصب سے مقید نہ ہو۔ ہمیشہ گم نام رہو۔ قبالوں میں اپنا نام نہ لکھو محکمہ قضا میں نہ جاؤ اور نہ کسی کے ضامن بنو۔ لوگوں کی وصیتوں میں نہ پڑو۔ بادشاہوں اور بادشاہوں کی اولاد سے اٹھنا بیٹھنا نہ رکھو۔ خانقاہ نہ بناؤ اور نہ خانقاہ میں بیٹھو۔ بہت سماع نہ سنو کہ سماع نفاق پیدا کرتا اور دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ سماع کی مخالفت نہ کرو کیونکہ سماع کے بہت سے لوگ حامی ہیں۔ کم بولو۔ کم کھاؤ اور کم سوؤ۔ خلقت سے اس طرح بچو جیسے لوگ شیر سے بچتے ہیں۔ خلوت اختیار کرو اور مردوں اور عورتوں، بدعتیوں، تونگروں اور عامیوں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔ حلال کھاؤ اور شبہ والی چیزوں سے پرہیز کرو۔ جب تک تم سے ہو سکے، نکاح نہ کرو کہ اس سے دنیا کے طالب ہو جاؤ گے اور دنیا کی طلب میں دین برباد کر لو گے۔ زیادہ نہ ہنسو، ہر ایک کو محبت و شفقت کی نظر سے دیکھو، اور کسی کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ اپنے ظاہر کی آرائش نہ کرو کیونکہ ظاہر کی آرائش باطن کی خرابی ہوتی ہے۔ خلقت سے جھگڑا نہ کرو۔ کسی سے کوئی چیز نہ چاہو اور نہ کسی سے کوئی خدمت طلب کرو۔ مشائخ کی مال و تن و جان سے خدمت کرو اور ان کے افعال کا انکار نہ کرو کیونکہ ان کا انکار کرنے والا ہرگز فلاح نہیں پاتا دنیا اور اہل دنیا سے غرور نہ کرو۔ چاہیئے کہ تمہارا دل ہمیشہ اندوہ گیں تمہارا بدن بیمار، تمہاری چشم گریاں تمہارا عمل

پُرخلوص، تمہاری دعا پُرخضوع، تمہارا لباس پُرانا، تمہارا رفیق درویش، تمہارا سرمایہ فقر، تمہارا گھر مسجد اور تمہارا مونس حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔

حضرت خواجہؒ کے کلماتِ قدسی

حضرت خواجہ کے کلمات قدسی میں سے یہ آٹھ کلمات ہیں کہ ان پر خواجگان قدس اللہ اسرارھم کے طریقہ کی بنیاد ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں :۔ ہوش دردم۔ نظر برقدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔ یادکرد۔ بازگشت۔ نگاہ داشت۔ یادداشت۔

ان کے علاوہ جو کلمات ہیں، وہ سب نصیحتیں ہیں۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ اس طریقہ عالیہ کی جملہ مصطلحات میں تین کلمات اور ہیں۔ اور وہ ہیں۔ وقوف زمانی، وقوف عددی اور وقوف قلبی، یہ سب گیارہ کلمات ہوئے۔

ہوش دردم مولانا سعدالدین کاشغری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہوش دردم یہ ہے کہ ایک سانس کے بعد جو دوسرا سانس لیا جائے، وہ غفلت سے نہ ہو حضوری سے ہو اور ہر سانس جو سالک لے وہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے خالی اور اس سے غفلت میں نہ ہو۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ میں سانس کی رعایت اور اس کی حفاظت بڑی اہمیت رکھتی ہے یعنی چاہیئے کہ کہ تمام سانس حضوری اور آگاہی میں سے لئے جائیں اور اگر کوئی سانس کی حفاظت نہیں کرتا تو کہتے ہیں کہ فلاں گم کردہ ہے یعنی اس نے طریق وروش گم کردی ہے حضرت خواجہ بہاءالدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس راہ میں کام کی بنیاد سانس پر ہونی چاہیئے۔ اور سانس کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیئے کہ وہ باہر نکلنے اور اندر جانے میں ضائع ہو اور دو سانسوں کے درمیان کے وقفے کی حفاظت میں کوشش کی جائے کہ سانس غفلت سے نہ آئے جائے۔

اے ماندہ زبحر علم بر ساحل عین   در بحر فراغ ست و بر ساحل شین
بردار صفا نظر زموج کونین   آگاہ بہ بحر باش بین النفسین

(ترجمہ) اے بحر علم چھوڑ کر ساحل پر ٹھہرے ہوئے۔ بحر میں فراغت ہے اور ساحل پر خرابی ہے دونوں جہاں کی موج سے اپنی صاف نظر اٹھالے اور دو سانسوں کے درمیان جو بحر ہے اس سے

آگاہ ہو جاؤ۔

حضرت خواجہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی شرح رباعیات کے اواخر میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالجناب نجم الدین کبریٰ قدس اللہ روحہ نے رسالہ فواتح الجمل میں فرمایا ہے کہ وہ ذکر جو حیوانات کے نفوس پر جاری ہے، یہ ان کے ضروری سانس ہیں اس لئے کہ سانس کے باہر آنے اور اندر جانے میں وہ حرف جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی غیب ہویت[1] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گئے ہیں خواہ چاہیں یا نہ چاہیں، وہ وہی حرف ہیں جو اللہ کے اسم مبارک میں ہیں۔ اور الف ولام تعریف کا ہے اور لام پر تشدید اس تعریف کے مبالغہ کے لئے ہے۔ پس چاہیئے کہ ہوش مند طالب حق سبحانہ و تعالیٰ سے نسبت آگاہی میں ایسے درجے پر ہو کہ اس حرف شریف کے تلفظ کے وقت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہویت[2] ذات اس کو ملحوظ رہے اور سانس کو باہر نکالتے اور اندر کھینچتے وہ اس بات سے واقف رہے کہ حضوری مع اللہ کی نسبت میں کوئی فتور واقع نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچے کہ کسی نگاہ داشت کے بغیر اس کی یہ نسبت ہمیشہ اس کے دل میں موجود رہے اور اگر وہ اس نسبت کو دور کرنا چاہے بھی تو تکلف سے بھی نہ کر سکے۔

رُباعی

با غیب ہویت آمدلے حرف شناس انفاس ترا بود براں حرف اساس
باش آگہ ازاں حرف دراں امید و ہراس حرفے گفتم شگرف اگر داری پاس

(ترجمہ) اے حرف شناس ہویت غیب میں ہے۔ تیرے سانس اس حرف کی اساس ہیں امید و ہراس میں اس حرف سے آگاہ رہو۔ میں نے ایک نادر حرف کہا ہے اگر تم اس کا خیال رکھو۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ عارف ربانی حضرت عبدالرحمٰن جامی نے اس رباعی میں غیبت ہویت جو فرمایا ہے وہ اہل تحقیق کی اصطلاح میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات سے عبارت ہے باعتبار لاتعین

---

[1] غیب ہویت یا غیب مطلق۔ ذات حق کا وہ مرتبہ جو لاتعین ہے۔ مترجم

[2] ہویت۔ وہ مطلق حقیقت جو غیب مطلق میں حقائق پر اس طرح مشتمل ہو، جیسے بیج درخت پر مشتمل ہوتا ہے۔ (مترجم)

یعنی بشرط اطلاق حقیقی کے کہ وہ کسی اطلاق سے بھی مقید نہیں۔ نیز یہ ممکن نہیں کہ اس مرتبے میں کوئی علم اور ادراک اس سے متعلق ہو اور اس حیثیت سے وہ مجہول مطلق ہے۔

نظر بر قدم نظر بر قدم یہ ہے کہ شہر و صحرا اور ہر جگہ جاتے آتے سالک کی نظر اپنے پاؤں کی پشت پر ہو تا کہ اس کی نظر پراگندہ و پریشان نہ ہو۔ اور جہاں اسے نہیں پڑنا، نہ پڑے۔ اور شاید نظر بر قدم اشارہ ہو سالک کا تیز رفتاری سے ہستی کی مسافتیں قطع کرنے اور خود پرستی کی گھاٹیاں طے کرنے کی طرف۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں اس کی نظر کی انتہا ہوتی ہو، وہ فوراً قدم وہاں رکھ دے۔ اور وہ جو ابو محمد رویم قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ ادب المسافر أن لا یجاوز همته قدمه (مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کی ہمت اس کے قدم سے تجاوز نہ کرے) اس کا اشارہ اسی معنی کی طرف ہے۔ حضرت عارف سبحانی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی نے کتاب تحفۃ الاحرار میں حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہ کی منقبت میں اس مضمون کو یوں نظم فرمایا ہے۔

ابیات

گم زدہ بے ہمدمی و ہوش دم — در نگذشتہ نظرش از قدم
بسکہ زخود کردہ بسرعت سفر — باز نماندہ قدمش از نظر

بے ہمدمی اور ہوش دم سے وہ گم کیا ہوا ہے۔ اس کی نظر قدم سے نہیں گزری۔ اس نے اپنے آپ سے سرعت سفر کیا ہے۔ پھر اس کے قدم نظر پر نہیں رہے۔

سفر در وطن سفر در وطن یہ ہے کہ سالک طبیعت بشری سے سفر کرے یعنی بحکم تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق اختیار کرو) صفات ملکی میں اور صفات ملکی سے صفات رحمانی میں منتقل ہو۔ حضرت مولانا سعدالدین کاشغری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ خبیث شخص جس جگہ منتقل ہوگا اس سے خباثت دور نہیں ہوگی جب تک کہ وہ خود صفات خبیثہ سے الگ نہ ہو۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ مشائخ طریقت قدس سرہم کے سفر و اقامت اختیار کرنے کے احوال مختلف ہیں، ان میں سے بعض ابتدا میں سفر کرتے ہیں۔

اور آخر میں اقامت اختیار کرتے ہیں اور بعض ابتدا میں اقامت اختیار کرتے ہیں، اور آخر میں سفر کرتے ہیں اور بعض ابتدا و آخر دونوں میں اقامت اختیار کرتے ہیں اور سفر نہیں کرتے اور بعض ابتدا و آخر دونوں میں سفر کرتے ہیں اور اقامت اختیار نہیں کرتے ہیں ان چار فرقوں میں سے ہر گروہ کی سفر و اقامت میں صادق نیت اور صحیح غرض ہوتی ہے جیساکہ عوارف کے ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔

باقی خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کا سفر و اقامت میں طریقہ یہ ہے کہ ابتدائے حال میں اس حد تک سفر کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے پاس پہنچ جائیں پھر اس کی خدمت میں اقامت گزیں ہو جائیں اور اگر اس گروہ کے بزرگوں میں سے کسی ایک کو خود اپنے دیار میں پالیں، تو وہ سفر ترک کرکے اس کے پاس بسرعت پہنچ جاتے ہیں اور ملکہ آگاہی کی تحصیل میں سعی جمیل کرتے ہیں۔ اس صفت ملکہ کے حصول کے بعد سفر و اقامت دونوں برابر ہیں۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ مبتدی کو سفر میں پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب طالب کسی بزرگ کی صحبت میں پہنچ جائے، اسے چاہیئے کہ وہیں مقیم ہو کر اس کی خدمت میں رہے، وصف تمکین حاصل کرے اور خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کے ملکۂ نسبت کی تحصیل کرے۔ اس کے بعد جہاں بھی وہ ہو، کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

رباعی

یارب چہ خوش ست بے دہاں خندیدن   بے واسطۂ چشم جہاں را دیدن

بنشیں و سفر کن کہ بغایت خوب ست   بے منتِ پا گرد جہاں گردیدن

(ترجمہ) یارب بے منہ کے ہنسنا اور بے واسطۂ چشم جہاں کو دیکھنا کتنا اچھا ہے۔
بیٹھے رہو اور سفر کرو کہ پاؤں کا احسان لئے بغیر جہاں کے گرد گھومنا بہت خوب ہے

حضرت عارف سبحانی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں اس بیت

آئینہ صورت از سفر دوراست
کان پذیرائے صورت از نوراست

کی شرح کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ آئینہ صورت کی جانب نہ سفر کرتا ہے اور نہ جنبش، اس لئے کہ اس کا صورت قبول کرنا خود اپنے جوہر کی نورانیت اور صفائی کی وجہ سے ہے۔ جو

چیز بھی اس کے سامنے آتی ہے۔ اور اپنا منہ دکھاتی ہے اس کی صورت اس کے اندر منعکس ہو جاتی ہے بغیر صورت کی طرف اس کے حرکت کئے۔ اسی طرح جب دل کا آئینۂ معنوی کون و مکان کی صورتوں کے حشو و زوائد سے مبرا ہوتا ہے اور نور و صفا اس کو گرفت میں لے لیتا ہے اور خواہشات طبعی کے اندھیرے اس سے زائل ہو جاتے ہیں تو پھر تجلیات ذات اور صفات الٰہی کو قبول کرنے کیلئے اسے سیر و سلوک کی حاجت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ سیر و سلوک عبارت ہے دل کے چھلکے کو صاف اور صیقل کرنے سے اور جب وہ صاف اور صیقل ہو گیا تو اس کو سیر و سلوک کی حاجت نہ رہی۔

خلوت در انجمن حضرت خواجہ بہاء الدین قدس اللہ سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے طریقے کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ فرمایا خلوت در انجمن۔ ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ کہ حدیث میں ہے۔ الصوفی هو الكائن والبائن (صوفی وہ ہے جو پردہ خفا میں ہو)

اندرون شو آشنا واز برون بیگانہ وش

ایں چنیں زیبا روش کم مے بود اندر جہاں

(ترجمہ) باطن سے آشنا ہو اور باہر سے بیگانہ رہ۔ ایسی اچھی روش دنیا میں کم ہی ہوتی ہے۔

اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے۔ رجالٌ لا تلهيهم تجارة ولا بيعٌ عن ذكر الله (ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت) اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس طریقہ میں نسبت باطنی ایسی ہے کہ دل کی جمعیت اژدحام میں اور تفرقہ کی صورت میں خلوت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔ اور یہ کہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔ خیریت و جمعیت (دل) صحبت میں ہے۔ بشرطیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو۔

خواجہ اولیا کبیر قدس سرہ نے فرمایا ہے خلوت در انجمن یہ ہے کہ ذکر میں اشتغال و استغراق اس درجہ کو پہنچ جائے کہ اگر (سالک) بازار جائے تو وہ حقیقت دل پر ذکر کے غلبے کی وجہ سے اہل بازار میں سے کسی کی بھی آواز اور بات نہ سنے۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ پانچ چھ روز تک کوشش اور اہتمام سے ذکر کے اشتغال سے (سالک) اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے کہ تمام آوازیں اور لوگوں کی حکایتیں ذکر معلوم ہوتی ہیں اور جو بات کرتا ہے، وہ اسے ذکر سنائی دیتی ہے قاضی محمد قدس سرہ کی جمع میں منقول ہے۔ کہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نے فرمایا ہے کہ ابتدائے سلوک میں مجھ پر ذکر اس طرح مستولی ہوگیا کہ اگر ہوا چلتی یا درخت کا پتہ ہلتا یا میرے کان میں لوگوں کی گفتگو کی آواز آتی، میں ان سب کو ذکر سمجھتا۔ جو کوئی ابتدائے حال میں ایسا نہ ہو، آخر میں وہ کمالاتِ ذات کی غایت کو نہیں پہنچتا۔

یاد کرد یہ عبارت ہے زبان اور دل کے ذکر سے۔ حضرت مولانا سعدالدین کاشغری قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ ذکر کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے۔ پہلے شیخ دل میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے۔ مرید اپنے دل کو حاضر کرے اور شیخ کے دل کے سامنے رکھے۔ آنکھیں بند کرے۔ منہ مضبوطی سے بند کرے۔ زبان کو تالو سے لگائے۔ دانت دانتوں پر رکھے اور سانس کو لے کر پوری قوت اور تعظیم سے ذکر شروع کرے۔ شیخ کی موافقت کرتے ہوئے دل سے ذکر کرے، زبان سے نہیں۔ سانس کو روکنے میں صبر سے کام لے ایک سانس میں تین بار (لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کہے۔ اس طرح کہ ذکر کی حلاوت کا اثر دل تک پہنچے۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے اپنے بعض کلمات قدسی میں لکھا ہے کہ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ دل محبت و تعظیم کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ سے ہمیشہ آگاہ رہے۔ اگر اربابِ جمعیتِ (دل) کی صحبت میں یہ آگاہی حاصل ہو، تو ذکر کا مقصود خلاصہ حاصل ہوگیا۔ اور اگر اس صحبت سے آگاہی حاصل نہ ہو تو پھر اس طریقہ سے ذکر کرے جیسا کہ سابق فصل میں بیان کیا گیا ہے

بازگشت یہ عبارت ہے ذکر پر نظر رکھنے سے یعنی ہر بار جب بھی (سالک) زبان دل سے کلمہ طیبہ کہے، اسے چاہیئے کہ اس کے پیچھے اسی زبان سے کہے۔ خداوندا مقصود من توئی و رضائے تو (اے خداوندا! میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا) یہ کلمۂ بازگشت اس لئے ہے کہ یہ ہر اچھے اور برے خیال کی جو آجاتا ہے، نفی کرتا ہے۔ اس طرح ذکر خالص ہو جاتا ہے اور اس کے دماغ سے ماسوا کے خیالات نکل جاتے ہیں اگر ابتدائے ذکر میں مبتدی کلمہ بازگشت

کو صدق دل سے اپنے اندر نہ پائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اسے ترک نہ کرے اس لئے کہ آہستہ آہستہ وہ صدق کے آثار کو ظہور پذیر پائے گا۔

نگاہ داشت یہ عبارت ہے خیالات پر نظر رکھنے سے چنانچہ سالک ایک سانس میں چند بار کلمہ طیبہ کہے تو اس دوران میں کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔ حضرت مولانا سعد الدین قدس سرہ نے اس کلمہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ چاہیئے کہ ایک ساعت، دو ساعت اور دو ساعت سے بھی زیادہ جس قدر بھی ہوسکے اپنے خیال پر اس طرح نگاہ رکھے کہ کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔

مولانا قاسم علیہ الرحمتہ سے جو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے بڑے اصحاب اور مخصوصین میں سے ہیں، منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ نگاہ داشت کے متعلق ملکہ اس درجے تک پہنچے کہ طلوع فجر کے وقت سے اچھی خاصی چاشت تک دل پر اس طرح خیالاتِ غیر کے بارے میں نگاہ رکھی جاسکے کہ اس عرصے میں قوت متخیلہ اپنا کام کرنا چھوڑ دے۔ مخفی نہ رہے کہ قوت متخیلہ کا تمام تر اپنا کام چھوڑ دینا خواہ یہ نصف ساعت کے لئے ہو، اہل تحقیق کے نزدیک حددرجہ عظیم بات اور نادر اشیا میں سے ہے۔ بعض کامل تر اولیا کی کبھی کبھی اس معنی تک رسائی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ نے فتوحات مکیہ میں جہاں کہ وجود قلب کا بیان کیا گیا ہے، خواجہ محمد علی حکیم ترمذی قدس سرہ سے سوالوں اور جوابوں کے ضمن میں اس کی تحقیق کی ہے۔

یادداشت اس سے جو مقصود ہے وہ عبارت ہے بر سبیل ذوق حق سبحانہ وتعالیٰ کی دوام آگاہی سے بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ حضور بے غیبت ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک مشاہدہ، حضور یادداشت کا ایک کنایہ ہے۔ اور مشاہدہ یہ ہے کہ حُبِ ذاتی کے توسط سے دل پر شہود حق کا غلبہ ہو۔[۱]

حضرت خواجہ احرار نے ان چار کلمات کی شرح میں جو اوپر گزر چکے ہیں، یہ فرمایا ہے۔ یاد کرد عبارت ہے ذکر میں تکلف کرنے سے۔ بازگشت عبارت ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اس طرح

۱؎ "یادداشت" تو وہ واجب الوجود کی حقیقت کی طرف خالص توجہ کرنے سے عبارت ہے ایسی توجہ جو الفاظ اور تخیلات سے مجرد ہو۔ (القول الجمیل اردو ترجمہ)

رغبت کرنے سے کہ ہر بار کہ (سالک) کلمہ طیبہ کہے۔ اس کے پیچھے وہ دل میں یہ خیال کرے کہ خداوندا مقصود من توئی (اے خداوندا تو ہی میرا مقصود ہے) اور نگاہ داشت[1] عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس رجوع کی محافظت سے اور یادداشت عبارت ہے نگاہ داشت میں رسوخ حاصل کرنے سے۔

وقوفِ زمانی حضرت بہاء الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ وقوفِ زمانی، کہ وہ راہ کا کارگزار ہے، یہ ہے کہ بندہ اپنے احوال سے ہر زمانے میں خواہ اس کی حالت وصفت کیسی بھی ہو۔ موجب شکر ہو یا موجب عذر، واقف رہے اور حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ بسط کی حالت موجب شکر ہے۔ ان کا ارشاد ہے ان دونوں حالتوں کی رعایت وقوف زمانی ہے۔ یہ بھی حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے کہ وقوف زمانی میں سالک کے کام کی بنیاد ساعت پر رکھی گئی ہے تاکہ وہ معلوم کرے کہ سانس جو ہے، وہ حضور میں گزرتا ہے یا غفلت میں۔ اگر وہ اس کی بنیاد سانس پر نہ رکھتے تو ان دونوں حالتوں وصفتوں کو معلوم نہ کیا جا سکتا۔ وقوف زمانی عبارت ہے محاسبہ سے۔ حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے کہ محاسبہ یہ ہے کہ ہر ساعت جو ہم پر گزری ہے ہم محاسبہ کریں کہ غفلت کیا ہے اور حضور کیا ہے؟ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب گھاٹا ہے تو ہم بازگشت کرتے ہیں اور نئے سرے سے عمل کرتے ہیں[2]۔

---

[1] نگاہ داشت عبارت ہے دل سے ادھر ادھر کے خیالات کو ہٹانے اور وسوسوں کو دور کرنے سے۔ اور اس کے لئے سالک کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ چوکنا رہے اور دل میں کوئی ایک خیال بھی نہ آنے دے۔۔۔ نگاہداشت سے سالک کے اندر ذہن کو ہر طرح کے خیالات اور وسوسوں سے خالی رکھنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ (القول الجمیل۔ اردو ترجمہ)

[2] "ہوش در دم" کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ہر ہر سانس پر طالب اپنے دل کو بیدار رکھے اور ہر لحظہ اپنے نفس پر اس کی نگاہ رہے کہ آیا وہ غافل ہے یا ذکر میں مشغول۔ اس سے طالب بتدریج ترقی کرتے ہوئے "دوام حضور" کی منزل پر پہنچتا ہے۔ یہ شغل راہ سلوک کے مبتدی کا ہے۔ جو طالب سلوک میں اس سے آگے اور دوسرے درجے پر پہنچے تو اسے چاہیئے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اپنے نفس کی طرف توجہ لگائے اور دیکھے کہ یہ گھڑی جو اس پر گزری ہے، (باقی حاشیہ صفحہ ۶۹۴ پر)

وقوف عددی یہ عبارت ہے ذکر میں تعداد (گنتی) کا خیال رکھنے سے۔ حضرت خواجہ بزرگ بہاء الدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ذکر قلبی میں تعداد کا خیال منتشر خیالات کو دور کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اور یہ جو خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحھم کے کلام میں آیا ہے کہ فلاں نے فلاں کو وقوف عددی کرنے کا حکم دیا، تو اس سے مقصود قلبی ذکر کرنا ہے اس کی تعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے، نہ کہ محض تعداد کو ملحوظ رکھنا قلبی ذکر میں (یعنی اصل مقصود ذکر قلبی ہے اور اس کی تعداد کی حیثیت ثانوی ہے) ذاکر کو چاہیئے کہ وہ ایک سانس میں تین بار یا پانچ بار یا سات بار یا اکیس بار ذکر کرے اور اس میں طاق عدد کو لازم قرار دے۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس اللہ تعالیٰ روحہ نے فرمایا ہے کہ بہت بار کہنا شرط نہیں، چاہیئے کہ جس قدر بھی کہے، وقوف اور حضور سے کہے تاکہ اس کا فائدہ ہو۔ اور جب قلبی ذکر میں (ایک سانس میں) اکیس بار سے تعداد بڑھ جائے اور اثر ظاہر نہ ہو تو یہ اس عمل کے بے نتیجہ ہونے کی دلیل ہے اس ذکر کا اثر یہ ہے کہ نفی (یعنی لا الہ) کہتے وقت بشریت کا وجود منفی ہو جائے اور اثبات (یعنی الا اللہ) کہتے وقت جذبات الوہیت کے تصرف کے آثار میں سے کوئی اثر سامنے آجائے۔

اور یہ جو حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے کہ وقوف عددی علم لدنی کا اول مرتبہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اہل ہدایت کی نسبت سے علم لدنی کا یہ پہلا مرتبہ ہو۔ اور اس میں جذبات الوہیت کے تصرفات کے یہ آثار رو برو آتے ہوں۔ چنانچہ حضرت خواجہ علاء الدین نے فرمایا ہے کہ وہ ایک کیفیت اور حالت ہے جو مرتبہ قُرب سے وصل رکھتی ہے اور اس مرتبے میں علم لدنی منکشف ہو جاتا ہے۔ اہل نہایت کی وقوف عددی کی، کہ وہ علم لدنی کا پہلا مرتبہ ہے، البتہ وہ ہوگی کہ ذاکر کون و مکان

(بقیہ حاشیہ) اس میں اس پر غفلت کا اثر تھا یا نہیں چنانچہ اگر وہ محسوس کرے کہ اس پر غفلت کا اثر تھا تو توبہ استغفار کرے اور عزم کرے کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس سے طالب "دوام" کے شغل پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اسی "دوام" کا نام "وقوف زمانی" ہے۔

(القول الجمیل۔ اردو ترجمہ)

کے مراتب میں ایک واحدِ حقیقی کے جاری وساری ہونے سے واقف ہو، جس طرح کہ وہ حساب کے اعداد کے مراتب میں ایک کے عدد کے جاری وساری ہونے سے واقف ہے۔

اعداد کون وصورت کثرت نمائشے است
فالکلُّ واحدٌ یتجلّی بکلّ شان

ترجمہ۔ کون ومکان کے اعداد اور کثرت کی صورت ایک جلوہ گاہ ہے پس سب ایک ہی ہے۔ اور یہی ایک ہر شان میں جلوہ فرما رہا ہے۔

محققین اکابرین سے ایک نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

کثرت چو نیک درنگری عین وحدت است ۔۔۔ ما را شکے نماند دریں گر ترا شکے ست
در ہر عدد کہ بنگری از روئے اعتبار ۔۔۔ گر صورتش نہ بینی در مادہ اش یکیست

(ترجمہ) کثرت کو جو غور سے دیکھو، عین وحدت ہے۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہا۔ اگر تجھے کوئی شک ہے (تو ہوا کرے)۔ ہر عدد غور سے دیکھو اور اگر محض اس کی صورت تم نہ دیکھو، تو اس کا اصل مادہ ایک ہی ہے۔

اور شرح عبارات میں فرمایا گیا ہے۔

در مذہب اہل کشف وارباب خرد ۔۔۔ ساری است احد در ہمہ افراد عدد
زیرا کہ عدد گرچہ برون ست زحد ۔۔۔ ہم صورت و ہم مادہ اش ہست احد

(ترجمہ) اہل کشف اور ارباب خرد کے مذہب میں احد تمام افرادِ عدد میں جاری وساری ہے۔ عدد اگرچہ حد سے باہر ہو، اس کی صورت بھی اور اس کا مادہ بھی احد ہی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وقوف ہے جو علم لدنی کا پہلا مرتبہ ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ علم لدنی وہ علم ہے جو اہل قرب کو تعلیم الٰہی اور تفہیم ربانی سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے نہ کہ عقلی دلائل اور نقلی شواہد سے، چنانچہ کلام قدیم (قرآن مجید) نے حضرت خضرؑ کے حق میں فرمایا ہے۔ وعلمناہ من لدنا علما (ہم نے اسے اپنے پاس سے علم سکھایا) علم یقینی اور علم لدنی میں فرق یہ ہے کہ علم یقینی عبارت ہے ذات الٰہی اور صفات الٰہی کے ادراک سے اور علم لدنی کنایہ ہے حق سبحانہ وتعالیٰ سے بطریق الہام، ادراکِ معنی اور فہم کلمات کا۔

وقوفِ قلبی اس کو دو معنوں پر محمول کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ذاکر کا دل حق سبحانہ و تعالےٰ سے آگاہ ہو اور یہ از قبیلِ یادداشت ہے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے اپنے بعض کلمات قدسی میں فرمایا ہے کہ وقوفِ قلبی عبارت ہے دل کی آگاہی اور اس کے حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب میں اس طرح حاضر ہونے سے کہ دل کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی اور سے تعلق نہ رہے۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ذاکر دل سے واقف ہو۔ یعنی وہ ذکر کے دوران صنوبری شکل والے گوشت کے ٹکڑے کی طرف متوجہ ہو، جسے مجازاً دل کہتے ہیں اور وہ بائیں طرف بائیں چھاتی کے قریب واقع ہے۔ اسے وہ ذکر میں مشغول و گویا کرے اور اس کو موقع نہ دے کہ وہ ذکر سے اور ذکر کے مفہوم سے غافل اور بے توجہ ہو۔

حضرت خواجہ بہاءالدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ ذکر میں سانس کے روکنے اور ذکر کی تعداد کی رعایت کو لازمی شمار نہیں کرتے۔ البتہ وقوفِ قلبی کے ہر دو معنوں کو جن کا ذکر کیا گیا ہے، اہم قرار دیتے اور لازم شمار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ذکر سے جو مقصود ہے، اس کا خلاصہ وقوفِ قلب[1] میں ہے۔

مانند مرغے باش ہاں بر بیضہ دل پاسباں
کز بیضہ دل زایدت مستی و ذوق و قہقہہ

(ترجمہ) مرغ کی طرح بیضہ دل کی پاسبانی کرو۔ کہ بیضہ دل سے مستی و ذوق و قہقہہ پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] وقوفِ قلبی یہ ہے کہ سالک کی توجہ دل کی طرف رہے، جو چھاتی کے نیچے بائیں طرف واقع ہے اور نقشبندی طریقے میں دل کی طرف توجہ کرنے میں وہی حکمت ہے، جو قادری طریقے میں دورانِ ذکر میں ضربوں پر نگاہ رکھنے میں ہے یعنی اس سے دوسری سے توجہ ہٹ کر صرف اپنی طرف مرکوز ہو جاتی ہے اور آگے چل کر یہی ذریعہ بنتی ہے توجہ الی الحق کا۔

(القول الجمیل۔ اردو ترجمہ)

فصل چہارم
توجہ

توجہ وغیرہ کے بیان میں اس عالی مرتبت گروہ کے ہاں توجہ اور ان کی باطنی نسبت کی تربیت و پرورش کا طریقہ یوں ہے کہ جب دل کا شغل کرنا چاہیں، پہلے اس شخص کی صورت، جس سے کہ یہ نسبت ملی ہو، اس وقت تک خیال میں رکھیں کہ اس شخص والی کیفیت و حرارت کا اثر پیدا ہو جائے اس کے بعد اس خیال کی نفی نہ کریں، بلکہ اسے نگاہ میں رکھیں اور آنکھ، کان اور تمام قویٰ سے اس خیال کے ساتھ دل کی طرف متوجہ ہوں، جو کہ عبارت ہے حقیقت جامع انسانی سے، اور یہ جو کائنات علوی و سفلی کا مجموعہ ہے، وہ اسی کی تفصیل ہے۔ اگرچہ وہ (حقیقت جامع انسانی) اجسام میں حلول نہیں کرتی لیکن چونکہ اس کے اور صنوبری شکل والے گوشت کے ٹکڑے کے درمیان ایک نسبت پائی جاتی ہے۔ اس لئے صنوبری شکل والے گوشت کے ٹکڑے کی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔ اور آنکھ، فکر، خیال اور تمام قویٰ کو اس پر متوجہ کرنا چاہیئے۔

ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ اس حالت میں غیبت و بے خودی کی کیفیت کے ظہور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو ایک راہ فرض کرنی چاہیئے اور جو خیال کہ اس میں حائل ہو، حقیقت قلب کی طرف توجہ کے ذریعہ اس کی نفی کی جائے۔ اگر اس خیال کی نفی نہ ہو سکے تو اس شخص کی صورت سے (جس سے کہ نسبت حاصل ہوئی ہے) التماس کرے تاکہ پھر وہ نسبت پیدا ہو۔ اس وقت خود اس خیال کی نفی ہو جائے گی۔ ضروری ہے کہ وہ توجہ کی حالت میں اس شخص کی صورت کی (جس سے کہ نسبت حاصل ہوئی ہے) نفی نہ کرے۔ اگر اس طرح وسوسوں اور خیالات کی نفی نہ ہو تو اسم "یا فعّال" کا اس کے معنی کے اعتبار سے چند بار دل میں شغل کرے۔ اور اگر اس سے بھی یہ وسوسے دور نہ ہوں تو بڑے غور و تامل سے چند بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اس طرح کہ "لا موجود الا اللہ" تصور کرے۔ اور وہ تشویش پیدا کرنے والا وسوسہ خواہ وہ کسی نوع کا ہو، جب وہ موجودات ذہنی میں سے ایک موجود شے ہے، تو وہ اسے حقیقت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے

ساتھ قائم دیکھے، بلکہ وہ اسے عین حق سمجھے۔ اس لئے کہ باطل بھی حق کے ظہورات میں سے ایک ظہور ہے۔ جیسا کہ شیخ ابو زید قدس سرہ فرماتے ہیں۔

لا تنکر الباطل فی طورہ　　فانہ لبعض ظہوراتہ

واعط منک بمقدارہ　　حتی توفی حق اثباتہ

(ترجمہ) باطل کے حال کا انکار نہ کر کیونکہ وہ بھی اس (حق) کے ظہورات میں سے ہے تو اسے (باطل کو) اس کی مقدار کا حق دے تاکہ تو اس (ذات) کے اثبات کا حق پورا کرے۔

اور شیخ موید الدین الجندی نے اس کے تتمہ میں کہا ہے۔

فالحق قد یظہر فی صورۃ　　ینکرہ الجاھل فی ذاتہ

(ترجمہ) پس حق بعض دفعہ ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ جاھل اس (حق) کی ذات کا انکار کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ یہ عمل کرنے سے ایک ذوق پیدا ہو۔ بزرگوں کی نسبت تقویت پکڑے سالک اس وقت اس فکر کی بھی نفی کرے اور بے خودی کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو اور اس کی تحصیل میں لگ جائے ۔ اگر اس کے ساتھ لا الہ الا اللہ دل میں کہے ۔ اللہ کی مد کو خوب کھینچے ۔ اسے اندر لے جائے اور اس حد تک مشغول ہو کہ زیادہ تنگ نہ ہو۔ جب دیکھے کہ تنگ ہو رہا ہے تو شغل کرنا چھوڑ دے اور یہ جانے کہ جب غیبت و بے خودی اور بزرگوں کی نسبت ترقی پر ہو، حقائق اشیاء میں فکر کرتے ہوئے جزئیات کی طرف توجہ کرنا عین کفر ہے۔

با خودی کفر و بے خودی دین است

بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء میں بھی فکر نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ اس عالی مرتبت گروہ کا مقصود اس نسبت کی طرف توجہ ہے کہ وہ وادی حیرت کی سرحد اور انوارِ ذات کی تجلی کا مقام ہے اور اس میں شک نہیں کہ اسماء و صفات کا ذکر اس سے مرتبے میں کم تر ہے۔

تو بپائی اصلاً کمال این است و بس

رو در وگم شو وصال این است و بس

(ترجمہ) تو ہرگز باقی نہ رہے۔ کمال بس یہ ہے۔ جاؤ اس میں گم ہو جاؤ وصال بس یہ ہے۔

چاہیئے کہ بازار گفتگو، اکل و شرب اور تمام حالات میں اس حقیقت جامعہ کو اپنا نصب العین بنائے اور اسے حاضر جانے اور جزوی صورتوں کی وجہ سے اپنے حضرت جامعہ سے غافل نہ ہو، بلکہ تمام اشیاء کو اس کے ساتھ قائم جانے اور کوشش کرے کہ اس حضرت جامعہ[1] کا تمام متعین اور غیر متعین موجودات میں مشاہدہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچے کہ وہ خود کو ہی سب دیکھے اور تمام اشیاء کو اپنا آئینہ جمال باکمال جانے اور بات کرتے وقت اسے چاہیئے کہ اس مشاہدہ سے غافل نہ ہو بلکہ اس کا چشم دل کا گوشہ اسی طرف رہے۔ اگرچہ ظاہر میں وہ دوسری چیزوں میں مشغول ہو۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

اندرون شو آشنا و از برون بیگانہ وش

این چنین زیبا روش کم می بود اندر جہاں

(ترجمہ) باطن سے آشنا ہو اور ظاہر سے بیگانہ۔ اتنی اچھی روش جہاں میں کم ہوتی ہے اور جس قدر صحبت زیادہ ہوگی، یہ نسبت قوی تر ہوتی جائے گی اور جب سالک اس مرتبہ پر پہنچے کہ دل اور زبان کے درمیان تفرقہ نہ کر سکے اور اس کے لئے خلقت حق کا حجاب نہ ہو اور حق خلقت کا حجاب نہ رہے اس وقت وہ صفت جذبہ سے دوسروں میں تصرف کر سکتا ہے اور حق کی طرف خلقت کو ارشاد و دعوت کی اجازت اس شخص کو ہوتی ہے جو اس مرتبے کو پہنچ جائے۔

سالک کو چاہیئے کہ غضب میں آنے سے خود کو بچائے کہ غضب میں آنا ظرف باطن کو نور معنی سے خالی کر دیتا ہے۔ اگر ناگاہ غصہ آجائے۔ یا کوئی قصور ہو جائے جس سے سخت کدورت ظاہر ہو اور سررشتہ نسبت گم ہو جائے یا وہ کمزور ہو جائے تو غسل کرے اگر مزاج میں قوت ہے تو ٹھنڈے پانی سے۔ یہ صفائی باطن دیتا ہے، ورنہ گرم پانی سے غسل کرے اور صاف کپڑے پہنے اور تنہائی میں دو رکعت نماز ادا کرے اور کئی بار زور سے سانس کھینچے اور اپنے اندر کو خالی کرے بعد ازاں

---

[1] حضرت جامعہ مشتمل ہے حضرت الغیب المطلق، حضرت علمیہ، حضرت شہادۃ مطلقہ اور حضرت غیب مضاف پہ اور اس کا عالم عالم انسان جامع ہے معہ جمیع عوالم اور ما فیہا کے (کتاب التعریفات للسید الشریف علی محمد بن محمد جرجانی)

اس طریقے پر جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، وہ توجہ کرے۔ اور ظاہر میں بھی اپنے حضرت جامعہ کے سامنے تضرع و عاجزی کرے اور اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور یہ جانے کہ یہ حقیقتِ جامعہ حق کی ذات و صفات کے مجموع کا مظہر ہے۔ یہ نہیں کہ حق سبحانہ نے اس کے اندر حلول کیا ہے بلکہ وہ آئینہ میں بمنزلہ صورت کے ہے پس یہ تضرع و عاجزی حقیقت میں حق سبحانہ تعالیٰ سے ہے۔

اس عالی مرتبت گروہ کے بعض افراد شیخ کی توجہ اور اس کی صورت کو نگاہ میں رکھنے کے بجائے کلمہ طیبہ یا اللہ کے اسم مبارک کی لکھی ہوئی شکل کو نگاہ میں رکھتے ہیں۔ خواہ اسے وہ اپنے سے خارج میں اچھی طرح ملاحظہ فرمائیں خواہ دل اور سینہ کے ارد گرد اسے تخیل سے نگاہ میں رکھیں۔ فقیر دس سال کا تھا کہ جب حضرت خواجہ ہاشم افاض اللہ علینا برکاتہ دہلی تشریف لائے اور انہوں نے فقیر کو اللہ کا اسم مبارک لکھنے کا حکم دیا۔ ایک مدت کے بعد مجھے دل کے ارد گرد تخیل سے لکھنے کا حکم ہوا۔ اس سے بڑی غیبت و بے خودی رونما ہوئی کہ اس میں کسی خیال کی ہرگز گنجائش نہ تھی اور بڑی لذت اور اطمینان قلب نصیب ہوا۔ وَمَن کَم یذق لم یدر (جس نے چکھا نہیں، وہ نہیں جان سکا) ایک جانی بوجھی مثل ہے۔

مخفی نہ رہے کہ لفظ نسبت[1] اور لفظ بار دو کلمے ہیں کہ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اروا حہم کی

---

[1] تصوف کے یہ جتنے طریقے اوپر بیان ہوئے، ان سب کا مقصد یہ ہے کہ طالب کے نفس ناطقہ کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس کیفیت کو صوفیہ نے "نسبت" کا نام دیا ہے۔ اور اس کو نسبت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کیفیت عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتساب اور ارتباط سے ۔۔۔۔ طالب جب عبادات، طہارات اور ذکر و اذکار پر برابر عامل رہے، تو اس کے نفس ناطقہ کے اندر فرشتوں کے مشابہ ایک مستقل صفت اور عالم جبروت کی طرف "توجہ" کا راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ دو شاخیں ہیں "نسبت" کی۔ اور ان میں سے ہر ایک شاخ کی بہت سی قسمیں ہیں۔۔۔۔ ۔۔۔ طریقت کے اشغال و وظائف سے دراصل مطلب بھی یہی ہے کہ طالب ان نسبتوں میں سے کسی ایک نسبت کو حاصل کرے۔ اس پر وہ برابر قائم رہے اور اس نسبت میں اسے استغراق حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ یہ نسبت طالب کے نفس ناطقہ (بقیہ حاشیہ ص۷۰۱ پر)

عبارات و اشارات میں اکثر آتے ہیں۔ کبھی وہ لفظ نسبت فرماتے ہیں اور اس سے مراد اس عالی مرتبت گروہ کے طریقہ اور کیفیت مخصوصہ و معروفہ سے ہوتی ہے اور کبھی وہ اس سے صفت غالب اور سانس کھینچنے کا ملکہ مراد لیتے ہیں اور کبھی وہ لفظ بار کہتے ہیں اور اس سے مراد بے نسبتی کی گرانی لیتے ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ فلاں بارے آورد یا فلاں بار دریار ساخت۔ یعنی جب کسی ایسے شخص سے ملاقات کرتے ہیں کہ اسے ان کے طریقے سے مناسبت نہیں ہوتی اور وہ اس کی نسبت سے متاثر نہیں ہوتے اگرچہ وہ شخص اہل سلوک یا اہل علم و تقویٰ ہی سے ہو۔ اس لئے کہ ان بزرگوں کی نسبت اور نسبتوں سے فائق ہے اور جو ان کی نسبت کے علاوہ نسبت ہے وہ ان کے لئے بار خاطر ہے

اور کبھی لفظ بار بولتے ہیں اور اس سے ان کی مراد کوئی مرض یا عرض ہوتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ فلاں بار فلاں برداشت یا فلاں بار فلاں انداخت۔ اس سے ان کی مراد مرض کا دفع کرنا یا مرض کو حوالے کرنا ہوتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ خواجگان قدس اللہ اسرارھم کے طریقہ میں اکثر مرض کو دفع یا مرض کو دوسرے کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ خانوادۂ خواجگان قدس اللہ اسرارھم کے اکابر سے جو منقول ہے کہ "در بار مردم می آیند" یعنی لوگوں کے بار میں آتے ہیں وہ ان دو صورتوں میں سے ایک نہ ایک ہوتی ہے ایک یہ کہ جب کسی آشنا یا عزیز کو کوئی مرض یا ملال کی بات یا کسی معصیت میں آلودگی وقوع پذیر ہو، وہ طہارت کرتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں۔ تضرع و عاجزی کرتے ہیں اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس شخص کو اس عارضے سے پاک و صاف کردے۔

(بقیہ حاشیہ) کے لئے ایک مستقل ملکہ بن جائے۔

...... ان نسبتوں کے حصول کا ایک طریقہ یہ اشغال و وظائف ہیں لیکن اس کے علاوہ ان کے حصول کے اور طریقے بھی ہیں.... صحابہ اور تابعین سکینہ کی نسبت" ان اشغال و وظائف کے علاوہ دوسرے طریقوں سے حاصل کرتے تھے.......

(القول الجمیل - اردو ترجمہ)

دوسری صورت یہ ہے کہ اس مرض یا معصیت کا صاحب یا مصدر اپنے آپ کو جانتے ہیں اور اس شخص کے بجائے اپنے لئے اس مرض یا معصیت کا اثبات کرتے ہیں اور طہارت اور نماز کے بعد تضرع وزاری کرتے ہیں اور صدق واخلاص سے توبہ وانابت کرتے ہیں اور دل کو مشغول رکھتے ہیں اور ہمت[1] اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اس کو اس ابتلاء سے پوری خلاصی اور نجات ہو۔

فرماتے ہیں کہ جب کوئی دوست اور عزیز بیمار ہو، اس کی ہمت سے مدد کرنا بہت اچھا ہے، مدد دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ ہمت پوری طرح مصروف ہو کہ مرض دور ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مرض میں پریشانی خاطر بہت ہوتی ہے اور پھر آسانی سے جمعیت خاطر بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ہمت سے مدد کرتے ہیں کہ پریشانی خاطر دور ہو جائے۔ یا جو مقصود اصلی ہے، وہ نصب العین ہو جائے۔

طریقہ توجہ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کا توجہ کا طریقہ۔ اس توجہ کو انہوں نے اس بنا پر تصرف کا نام دیا ہے کہ وہ دل سے طالب

---

[1] نقشبندیوں میں عجیب وغریب تصرفات کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ ہمت کو کسی خاص مدعا پر اس طرح متوجہ کر دینا کہ وہ مدعا ہمت کے مطابق ہی سرانجام پائے۔ نیز مرید پر اپنا اثر ڈالنا، مریض کو مرض سے اچھا کرنا، گناہ گار سے توبہ کرانا لوگوں کے دلوں میں اس طرح تصرف کرنا کہ ان میں بڑے بڑے واقعات متمثل ہو جائیں۔ اللہ کے مقبول بندوں کی خواہ وہ زندہ ہوں یا قبروں میں مدفون، تصوف اور طریقت میں جو نسبت تھی، اس پر اطلاع پانا، لوگوں کے دلوں میں جو خیالات آتے ہیں، اور جو کچھ کہ وہ سوچتے ہیں، ان پر آگاہی حاصل کرنا مستقبل میں ہونے والے واقعات کو معلوم کرنا اور نازل ہونے والی بلاؤں کو دور کر دینا، یہ اور اس طرح کی اور چیزیں، یہ سب نقشبندی بزرگوں کے تصرفات میں شمار ہوتی ہیں۔

(القول الجمیل۔ اردو ترجمہ)

کے دل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس ارتباط کے راستے سے ان کے دل اور اس طالب کے باطن کے درمیان اتصال[1] و اتحاد واقع ہوتا ہے اور ان کے دل سے عکس کے طور پر اس کے باطن پر پرتو پڑتا ہے اور یہ ایک ایسی صفت ہے کہ ان کی استعداد سے نکل کر عکس کے طور پر اس طالب کے آئینہ استعداد میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر یہ ارتباط متصل ہو، تو جو کچھ عکس کے طریقے سے حاصل ہوا تھا، وہ صفت دائمی بن جاتا ہے۔ اور تصرف کی شرائط اور ان کی باریکیوں کا بیان اور اس کی روش کی تفصیل مرشد کے ارشاد سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد یحییٰ قدس اللہ تعالیٰ سرہما سے منقول ہے کہ ارباب تصرف کئی انواع کے ہیں۔ بعض ماذون و مختار ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے اذن سے اور خود اپنے اختیار سے جب بھی چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں اور اس کو فناء بے خودی کے مقام پر پہنچاتے ہیں۔ اور بعض دوسرے ایسے گروہ کے ہیں کہ قوتِ تصرف رکھنے کے باوجود امر غیبی کے بغیر تصرف نہیں کرتے۔ جب تک بارگاہ سے انہیں حکم نہ ملے، وہ کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ کبھی کبھی ان پر ایک صفت اور ایک حالت غالب ہوتی ہے اور اس غلبہ کے حال میں وہ مریدوں کے باطن پر تصرف کرتے ہیں اور اپنے حال سے ان کو متاثر کرتے ہیں۔ پس جو شخص کہ نہ مختار ہو، نہ ماذون اور نہ مغلوب، اس سے تصرف کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

[جناب شیخ عبدالرحیم صاحب (والد حضرت شاہ ولی اللہ) ..... جس طرح علم حدیث و تفسیر میں عدیم المثال اور بے نظیر تسلیم کئے جاتے تھے، اسی طرح فقہ و

---

[1] تصرفات کے لئے شرط یہ ہے کہ تاثیر ڈالنے والے کے نفس کا اس شخص کے نفس سے جس پر کہ تاثیر ڈالی جا رہی ہے، اتصال ہو، اور اس کا نفس دوسرے کے نفس سے مل جائے اور اس سے پیوست ہو جائے۔

(القول الجمیل - اردو ترجمہ)

ادب وغیرہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باوجود ان شرعی علوم وفنون کے وہبی علوم کا کافی حصہ رکھتے تھے۔۔۔

شیخ عبدالرحیم صاحب کو قدرتاً علم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ گویا فطرت سے اس مقدس نفس اور پاک طینت کی ذات میں علمی مذاق کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اکثر اوقات علوم دینیہ کے مطالعہ اور قرآن وحدیث کی اشاعت میں مصروف رہتے اور علم سلوک کے رواج دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ آپ کی محتاط زندگی، اتقاد پرہیزگاری، ترک دنیا و اہل دنیا، نفس کشی، عام اخلاق، خدا ترسی کی بے نظیر شہادت دہلی کی چار دیواری سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔ اور علم وہنر، فہم وفراست، عزم وثبات نے آپ کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ باوجود اس فضل وکمال کے مزاج میں غایت درجہ کا انکسار وعجز تھا۔ طرز معاشرت بالکل سادہ تھی۔ آپ کا لباس نہ تو زاہدانِ خشک اور فقہائے ظاہری کی ہیئت کا ہوتا تھا' نہ فقرائے آزاد کے طریقے پر، بلکہ مشائخ وصوفیہ کے مطابق ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔ طبی معلومات میں آپ کا ذہن نہایت رسا وسلیم تھا اور علمی وعملی تجربات خاص طور پر مشہور تھے۔ آپ کا وظیفہ نوافل تہجد تھا۔ جن میں تعداد رکعت کی قید کچھ نہ ہوتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ عذر کے سوا ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اور نہایت خوش الحانی اور قواعد تجوید کی رعایت سے پڑھتے۔ حلقہ یاراں کے علاوہ قرآن مجید کے دو تین رکوع تدبر معانی کے ساتھ پڑھنا آپ کا دستور تھا۔۔۔۔۔ جب جناب شیخ ابوالرضا محمد آپ کے برادر کلاں کا انتقال ہوگیا' تو آپ نے بعض یاروں کی استدعا و اصرار سے وعظ کہنا شروع کیا۔۔۔۔۔ آخر میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنی شروع کی۔

ماخوذ از "حیات ولی"

مصنفہ مولانا محمد رحیم بخش دہلوی